© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے برہان کی گذشتہ اشاعت میں مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے قلم سے "اسلامی تمدن" کے زیر عنوان جو مقالہ شائع ہوا تھا۔ ابھی مولانا اس کی پہلی قسط ہی لکھنے پائے تھے کہ اسیر فرنگ ہوگئے اور چونکہ اس مرتبہ بہ نسبت سابق خط وکتابت اور ملاقاتوں پر پابندیاں زیادہ شدید ہیں چنانچہ موصوف جس دن سے ہم سے رخصت ہوئے ہیں آج تک نہ ان کا کوئی خط ہمیں موصول ہوا اور نہ ہمارا کوئی خط ان تک پہنچ سکا ہے۔ اس بنا پر مجبوراً اب سلسلہ کی اشاعت کو روکنا پڑرہا ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ ہم پھر کب اس مفید مضمون کا سلسلہ دوبارہ شروع کرسکیں گے۔

دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں اول تو ہندوستان میں لکھے پڑھے لوگوں کا فی صدی تناسب ہی کتنا ہے اور تھوڑے بہت جو خواندہ ہیں بھی ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنے ہیں؟ پھر جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اگر ان میں ایسے لوگوں کا جائزہ لیا جائے جو خالص علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں تو آپ کو نتیجہ بہت ہی مایوس کن نظر آئیگا۔ ورنہ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ جس شخص نے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرکے آئندہ زندگی کے لئے کوئی راہ اختیار کرلی ہے اس کی ساری علمیت اور قابلیت اسی کیلئے وقف رہتی ہے۔ اب اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اوقات کا ایک قلیل حصہ اپنے ملک کے سنجیدہ اور ٹھوس علمی لٹریچر کے مطالعہ کیلئے بھی وقف کردے۔ انتہا یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے وہ پروفیسر جو بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں اور جن کی زندگیاں خالص علم کی خدمت کے لئے وقف ہونی چاہئے تھیں اُن میں سے اکثر کا شب و روز اسی طرح بسر ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر کلاس روم میں گئے اور اپنی یادداشتوں کی مدد سے جو کچھ انھیں پڑھانا ہے وہ پڑھا دیا۔ اس کے بعد ان کو نہ علمی مطالعہ سے کوئی واسطہ اور نہ اپنے ہی مضمون پر تحقیق کرنے سے سروکار تعلیم و تدریس کے گھنٹوں کے علاوہ ان کے تمام اوقات دوست احباب کی ملاقاتوں پارٹیوں خوش گپیوں اور تفریحات کے لئے وقف رہتے ہیں۔ آپ کو ہندوستان میں کتنے ہی پروفیسر ملیں گے جو بڑی بڑی نامور یونیورسٹیوں میں مختلف مضامین کے استاذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مگران میں جب کبھی اپنے توسن قلم کی روانی دکھلانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تواس کے لئے وہ ہمیشہ " افسانہ نگاری " یا " نظم گوئی " کا میدان تلاش کرتے ہیں۔ جب خود تعلیمی اداروں کے ذمہ دار حضرات کا یہ حال ہے تو پھر آپ ان لوگوں سے علمی ذوق کی کیا توقع کرسکتے ہیں جو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں کہ ان غریبوں کو دفتری کام اور پھر کلب کی مصروفیتوں سے اتنی فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ علمی کتابوں کا روزمرہ باقاعدہ مطالعہ کریں اور سنجیدہ لٹریچر کو پڑھ کر دماغ کو اس کی اصلی غذا پہنچاتے رہیں۔

جہاں تک علمی ذوق کے فقدان کا تعلق ہے۔ ہمارا قدیم تعلیم یافتہ طبقہ جس کو " علما " کہا جاتا ہے بدقسمتی سے اس معاملہ میں اس کا حال بھی جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے کچھ کم برا نہیں ہے۔ ان حضرات کے مطالعہ اور پڑھنے پڑھانے کی بھی ایک نہایت محدود دنیا ہوتی ہے اور وہ ساری عمر اُسی حصار میں بند پڑے پڑے گزار دیتے ہیں۔ انھیں نہ اس کی خبر ہے کہ مصر میں علمی کاموں کی رفتار کیا ہے؟ ہندوستان میں تصنیفی ادارے کتنے ہیں اور وہ کیا کیا کام کر رہے ہیں؟ اور نہ انھیں اس کا احساس ہے کہ ان کے اسلاف کرام نے علمی تحقیق وتلاش کے سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے تھے اب ان کی وراثت علمی کے مالک ہونے کی بنا پر ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی چہار دیواری سے باہر نکلکر علوم وفنون کی وسیع دنیا پر کچھ اور نہیں تو ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈال لیں۔ مدارس عربیہ کے مروجہ علوم وفنون کے علاوہ کسی اور جدید علم سے اگر وہ آشنا ہونا نہیں چاہتے نہ ہوں۔ مگر یہ کیا غضب ہے کہ جو حمد اللہ، قاضی، صدرا اور شمس بازغہ کا مدرس ہے اُسے ان کتابوں کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم وفنون کی خبر ہی نہیں اور جو حماسہ، مقامات اور متنبی پڑھا رہا ہے اُسے تاریخ۔ حدیث اور تفسیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس افسوسناک صورتِ حال کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہے کہ ہمارے بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ حضرات میں بھی وہ عمیقِ نظر، سنجیدگی فکر اور متانت رائے نہیں پائی جاتی جو ان میں بتمام وکمال ہونی چاہئے تھی اور دوسری جانب اس کا اثر یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگیوں کا راحت وآرام قربان کرکے کوئی ٹھوس علمی۔ دینی کام کرتے ہیں انھیں قدم قدم پر بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باعث بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور انھیں اس پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابو پانے کے لئے بڑے ہی صبر واستقلال سے کام لینا پڑتا ہے جو لوگ کم ہمت ہوتے ہیں وہ آغازِ سفر میں ہی جی چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر جن کی نیتوں میں خلوص۔ ارادوں میں پختگی اور عزائم میں استقامت ہوتی ہے وہ اپنا سفر برابر جاری رکھتے ہیں۔ پھر توفیقِ خداوندی بھی ان کی دستگیری میں تاخیر نہیں کرتی۔ اور وہ مشکلات وصعوبات سے گذرتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔

اب سے چار سال قبل جب توکلاً علی اللہ ندوۃ المصنفین کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ ہم اربابِ بزم کی افسردگیِ طبع اور خوئے بیگانہ وشی سے بے خبر نہیں تھے۔ ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ کتنے ہی اہلِ دل ہیں جو محفل میں پرسشِ احوال نہ ہونے کے باعث اپنی متاعِ غمِ نہاں سنبھالے ہوئے کسی گوشہ میں عزلت گزیں ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ایک کام کرنا تھا اور ہم نے اس کی بنیاد رکھدی۔ ابھی پورا ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ دنیا کی ہولناک ترین جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ کی وجہ سے سخت سے سخت مشکلات پیش آتی رہیں لیکن ہم نے نہ اپنی وضع میں فرق آنے دیا اور نہ کبھی اپنے لبوں کو شناسا رِ فغاں کر کے اپنی خودداری کو رسوا کرنا گوارا کیا۔ خدا کے فضل وکرم سے اس کا اثر یہ ہوا کہ ہماری کتابوں کو ملک میں مقبولیت حاصل ہوئی اور ندوۃ المصنفین کے قدردانوں کا حلقہ وسعت پذیر ہوتا رہا چنانچہ قارئین کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ پہلے سال کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کا پہلا ایڈیشن جلدی ختم ہوگیا اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے یہ ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۲۶۰ صفحات پر شائع کیا گیا ہے اور پہلے کے اعتبار سے اس کا حجم بہت بڑھ گیا ہے کتاب میں جابجا اہم اور غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ ترتیب بھی جدید ہے۔ ان اضافوں اور ترمیموں کے بعد کتاب کی حیثیت کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ جن اصحاب کے پاس پہلا ایڈیشن موجود ہے وہ بھی اس کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہیں۔ اسی طرح "اسلام میں غلامی کی حقیقت" کا اسٹاک بھی قریب الختم ہے اس پر نظرِ ثانی ہو رہی ہے۔ امید ہے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی جلدی تیار ہوگا۔ اس کے علاوہ پہلے سال کی دوسری کتابیں بھی برائے نام ہی موجود ہیں۔ پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشنوں کے علاوہ گذشتہ سنین کی طرح امسال بھی ادارہ کی طرف سے متعدد ضخیم کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں کاغذ اور کتابت وطباعت کا وہی سابق معیار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

© rasailojaraid.com